

مولانا امین احسن اصلاحی

مولانا امین احسن اصلاحی نے بیان کیا ہے کہ رسول زمین پر قانون الہی کی حاکمیت کا مظہر ہوتا ہے۔ وہ اس ذمہ داری پر مامور ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کو انسانوں تک پہنچائے۔ لہذا اس کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت کے مترادف ہوتی ہے۔ ”تذبرقرآن“ میں لکھتے ہیں:

”اصل حاکمیت اللہ ہی کی ہے لیکن وہ اپنے اذن سے اپنے رسول کو یہ منصب بخشا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کے امر و نہی سے آگاہ فرمائے اور اس مقصد کے لیے وہ اس کو غلطی اور خطا سے محفوظ فرماتا ہے اس وجہ سے رسول، خدا کی قانونی و تشریحی حاکمیت کا مظہر ہوتا ہے اور اس پر ایمان اور ساتھ ہی اس کی بے چون و چرا اطاعت، خدا پر ایمان اور خدا کی اطاعت کے ہم معنی بن جاتی ہے۔“^{۲۳}

اسی استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول چونکہ خدا کی قانونی و تشریحی حاکمیت کا مظہر ہوتا ہے، اس لیے اہل ایمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر نزاعی مسئلے میں اسی کو حکم بنائیں۔ اُن کے نزدیک رسول کی عدالت کو چھوڑ کر کسی اور کی عدالت سے رجوع کرنا کفر اور شرک کے مترادف ہے:

”جب رسول، خدا کی حاکمیت قانونی و تشریحی کا مظہر ہے تو اس امر کی کوئی گنجائش کسی صاحب ایمان کے لیے باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ رسول کی عدالت کو چھوڑ کر اپنے کسی معاملے کو فیصلہ کے لیے طاغوت کی عدالت میں لے جائے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے، وہ اپنی جان پر بہت بڑا ظلم ڈھاتا ہے۔ اس لیے کہ فی الحقیقت یہ چیز خدا کی حاکمیت کا انکار اور بالواسطہ شرک اور کفر کا ارتکاب ہے۔“^{۲۴}

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اُنھوں نے واضح کیا ہے کہ بحیثیت رسول آپ کی اطاعت کا یہ تقاضا فقط زبان کے اقرار اور عملی اظہار سے پورا نہیں ہوتا، اس کے لیے دل کی اطاعت بھی لازم ہے۔ سورہ نساء کی آیت ۶۵ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”...اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ لوگ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے درمیان پیدا ہونے والی تمام نزاعات میں تمھیں کو حکم نہ مانیں اور پھر ساتھ ہی اُن کے اندر یہ ذہنی تبدیلی نہ واقع ہو جائے کہ وہ تمھارے فیصلے کو بے چون و چرا پورے اطمینان قلب کے ساتھ مانیں اور اپنے آپ کو بلا کسی استثناء و تحفظ کے تمھارے حوالے کر دیں۔ رسول کی اطاعت خود خدا کی اطاعت کے ہم معنی ہے، اس وجہ سے اُس کا حق صرف

۲۳ اصلاحی، امین احسن، تذبرقرآن، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ج ۲، ص ۳۲۸۔

۲۴ ایضاً، ص ۳۲۹۔

ظاہری اطاعت سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے دل کی اطاعت بھی شرط ہے۔“^{۲۵}

مولانا اصلاحی اس اطاعت کے لازمی نتیجے کے طور پر اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امت کے علم و عمل میں سنت کی روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام کی حیثیت حاصل ہے۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

”پس اس کو اللہ و رسول کی طرف لوٹنا (ظاہر ہے کہ یہ ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک تک ہی کے لیے محدود نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس اختلاف کے پیدا ہونے کا غالب امکان تو حضور کی وفات کے بعد ہی تھا اور آیت خود شہادت دے رہی ہے کہ اس کا تعلق مستقبل ہی سے ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور کی وفات کے بعد آپ کی سنت ہی ہے جو آپ کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔“^{۲۶}

مولانا اصلاحی نے سورہ جمعہ کی تفسیر میں نماز جمعہ کے احکام کو سنت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اس نماز کے قیام سے متعلق تمام امور اگرچہ من جانب اللہ ہیں، مگر قرآن ان کے ذکر سے خالی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان احکام میں سے ہیں جو قرآن کے علاوہ ہیں اور جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے براہ راست امت میں جاری فرمایا ہے۔ اس کا مثال سے ان کے نزدیک، مقام نبوت کی یہ شان واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ کے احکام درحقیقت اللہ ہی کے احکام قرار پاتے ہیں، خواہ ان کا حوالہ قرآن میں مذکور ہو یا نہ ہو۔ لکھتے ہیں:

”جمعہ کی نماز، اس کی اذان اور اس کے خطبہ سے متعلق یہاں مسلمانوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں اور ان کی ایک غلطی پر جس طرح تنبیہ فرمائی گئی ہے، اس کا انداز شاہد ہے کہ جمعہ کے قیام سے متعلق ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام پائی ہیں، حالانکہ قرآن میں کہیں بھی جمعہ کا کوئی ذکر نہ اس سے پہلے آیا ہے نہ اس کے بعد ہے، بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ اس کے قیام کا اہتمام ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور لوگوں کو آپ ہی نے اس کے احکام و آداب کی تعلیم دی۔ پھر جب لوگوں سے اس کے آداب ملحوظ رکھنے میں کچھ کوتاہی ہوئی تو اس پر قرآن نے اس طرح گرفت فرمائی گویا براہ راست اللہ تعالیٰ ہی کے بتائے ہوئے احکام و آداب کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کے دیے ہوئے احکام بعینہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں، ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو۔ رسول کی طرف ان کی نسبت کی تحقیق تو ضروری ہے، لیکن نسبت ثابت ہے تو ان کا انکار خود اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار ہے۔“

^{۲۵} اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ج ۲، ص ۳۲۹۔

^{۲۶} ایضاً، ص ۳۲۵۔

چنانچہ انھوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ثبوت اور حجیت، دونوں اعتبارات سے سنت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو قرآن مجید کو حاصل ہے۔ دین میں ان دونوں کا مقام مساوی ہے، کیونکہ ان دونوں کے اجتماع ہی سے دین کی تشکیل ہوتی ہے:

”...سنت مثل قرآن ہے۔ سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایہ قرآن ہے۔ اس لیے کہ قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے۔ ہم ان دونوں کو مقدم و موخر نہیں کر سکتے اور کسی کو ادنیٰ و اعلیٰ نہیں قرار دے سکتے۔ دونوں دین کے قیام کے لیے یکساں ضروری ہیں۔“^{۲۸}

سنت کی تشریحی حیثیت کے حوالے سے مولانا اصلاحی نے علمائے سلف ہی کے طریقے پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ دین و شریعت کے باب میں قرآن مجید کے ارشادات کی نوعیت اصول کی ہے۔ جہاں تک فروع اور توضیحات و تفصیلات کا تعلق ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں محصور ہیں۔ چنانچہ دین اپنی کامل صورت میں اسی وقت سامنے آتا ہے جب سنت نبوی کو قرآن مجید کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کی شرح و تفسیر کا حق سب سے بڑھ کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، لہذا آپ کی تفسیر کے مقابلے میں کسی اور کی تفسیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

”...سنت رسول اللہ در حقیقت کتاب الہی کی تشریح و تفسیر ہے۔ جو باتیں قرآن مجید کے اجمال و اشارات کے اندر چھپی ہوئی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی باتوں کو واضح فرما دیا ہے۔ اس وجہ سے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، تو یہ کتاب اللہ ہی کی اس توضیح و تشریح کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو صحیح طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور و منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی توضیح و تشریح کرنے کا حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ کسی کو ہو سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی توضیح و تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیح و تشریح کے مقابل میں لائق قبول ہو سکتی ہے۔“^{۲۹}

ایک اور مقام پر خاص احادیث کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ ان میں جو کچھ بھی نقل ہوا ہے، وہ سرتاسر تعلیم کتاب ہی کا بیان ہے:

۲۷ اصلاحی، امین احسن، تدریس قرآن، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ج ۸، ص ۳۸۸۔

۲۸ اصلاحی، امین احسن، مبادی تدریس حدیث، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ص ۳۵۔

۲۹ اصلاحی، امین احسن، مولانا، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ص ۲۰۔

”آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حیثیت میں جو کچھ کہا اور کیا ہے، اس کو آپ کے فرائض نبوت کے دائرے سے الگ کس طرح کیا جاسکتا ہے اور اس کی اہمیت کو گھٹایا کس طرح جاسکتا ہے؟ اور پھر اس بات پر غور کیجئے کہ احادیث میں ان چیزوں کے سوا اور کیا ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت معلم کتاب و حکمت ہونے کے بتائی ہیں یا ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔“

اصلاحی صاحب اس بارے میں بھی پوری طرح واضح ہیں کہ دین و شریعت کی اصطلاحات کے مفہوم و مصداق کی تعیین کا حق فقط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ یہ فریضہ آپ کے فرائض نبوت میں شامل ہے۔ لکھتے ہیں:

”قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنے کا حق صرف صاحب وحی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ آپ جس طرح اس کتاب کے لانے والے تھے، اسی طرح اس کے معلم اور مبین بھی تھے اور یہ تعلیم و تبیین آپ کے فریضہ رسالت ہی کا ایک حصہ تھی۔“

مولانا اصلاحی نے سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کی تفسیر میں ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی“ کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ واضح کیا ہے کہ اللہ کے رسول کی حیثیت سے آپ کا منصبی فریضہ فقط یہ نہیں تھا کہ آپ کتاب اللہ کو لوگوں تک پہنچادیں۔ اس کے ساتھ آپ کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ آپ قرآن مجید کی تعلیم دیں اور اس کی شرح و وضاحت فرمائیں۔ قرآن مجید کی اس تعلیم اور اس شرح و وضاحت کے اخبار و روایات، یعنی احادیث کو دین کی حیثیت حاصل ہے اور ان کا انکار قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے۔ لکھتے ہیں:

”یہ خیال بڑا مغالطہ انگیز ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ منصبی بحیثیت رسول کے صرف یہ تھا کہ آپ لوگوں کو قرآن پہنچادیں۔ قرآن کا پہنچا دینا آپ کے فرائض منصبی کا صرف ایک جزو تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ آپ ایک معلم کی طرح لوگوں کو اس قرآن کی تعلیم دیں، اس کے مضمرات و تضمینات، اس کے اجمالات و اشارات اور اس کے اسرار و حقائق لوگوں پر واضح کر دیں، اس کے عجائب حکمت کے خزانوں تک لوگوں کی رہبری فرمائیں۔ اسی طرح آپ کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ آپ قرآنی حکمت کی روشنی میں افراد اور معاشرہ کی تربیت کے اصول و فروع بھی متعین فرمائیں اور ان اصولوں کے مطابق لوگوں کا تزکیہ بھی کریں۔... یہ سارے کام آپ کے فرائض نبوت میں شامل تھے۔ اس وجہ سے ان مقاصد کے تحت آپ نے جو کچھ بتایا جو کچھ کیا، اس سب کو امت نے اسی طرح حسب تعمیل سمجھا، جس طرح قرآن کو سمجھا اور اسی اہمیت کے ساتھ اس کی حفاظت اور اس

کے نقل و روایت کا اہتمام کیا۔ اس کے کسی جزو کے متعلق یہ سوال تو اٹھایا جا سکتا ہے کہ اس کا انتساب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پوری صحت کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں، لیکن اس کو دین و شریعت سمجھنے سے انکار کرنا خود قرآن مجید کے انکار کے ہم معنی ہے۔^{۳۲}“

جناب جاوید احمد غامدی

جناب جاوید احمد غامدی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی اطاعت اور دین میں آپ کے مقام و مرتبے کے حوالے سے اسی موقف پر قائم ہیں جس پر تمام علمائے سلف اور ان کے پیش رو فرما ہی و اصلاحی کھڑے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے وجود کو کمال انسانیت کا مظہر اتم اور زمین پر خدا کی عدالت کہتے، آپ کی ہستی کو عقیدت اور اطاعت، دونوں کا مرکز مانتے اور آپ کے احکام کی بے چون و چرا تعمیل کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ دین کو آپ کی ذات میں منحصر سمجھتے اور اس بنا پر آپ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کو قیامت تک کے لیے حجت تسلیم کرتے ہیں۔ ماخذ دین کی بحث میں انہوں نے ”دین کا تنہا ماخذ“ کی جو منفرد تعبیر اختیار کی ہے، اس سے حصول دین کا سارا رخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور آپ کے وجود پر دین کا انحصار رائج تعبیرات کے مقابلے میں زیادہ نمایاں اور زیادہ مرتکز ہو کر سامنے آیا ہے۔^{۳۳} دین اسلام پر اپنی کتاب ”میزان“ کا آغاز کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”دین اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جو انہوں نے پہلے انسان کی فطرت میں الہام فرمائی اور اس کے بعد اس کی تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ اپنے پیغمبروں کی وساطت سے انسان کو دی ہے۔ اس سلسلہ کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ دین کا تنہا ماخذ اس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والاصفات ہے۔“^{۳۴}

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو دین کا تنہا ماخذ تسلیم کرنے کے لازمی نتیجے کے طور پر وہ تمام تر دین کو آپ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ درج بالا مقدمے کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

”یہ صرف انہی (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہستی ہے کہ جس سے قیامت تک بنی آدم کو ان کے پروردگار کی ہدایت میسر ہو سکتی اور یہ صرف انہی کا مقام ہے کہ اپنے قول و فعل اور تقریر و تصویب سے وہ جس چیز کو دین قرار دیں،

^{۳۲} اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ج ۱، ص ۳۵۴۔

^{۳۳} اصول اور احکام کی کتابوں میں دین و شریعت کے بالعموم چار ماخذ بیان کیے گئے ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

^{۳۴} غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۔

وہی اب رہتی دنیا تک دین حق قرار پائے۔“^{۳۵}

یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک اخذ دین کی ترتیب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مقدم اور قرآن و سنت کا موخر ہے اور آپ کی حیثیت ماخذ و مصدر کی اور قرآن و سنت کی نوعیت اس سے پھوٹنے والی دو الگ الگ صورتوں کی ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے: ۱۔ قرآن مجید ۲۔ سنت۔“^{۳۶}

غامدی صاحب کے تمام ترقیاتی فکر کا مدار اسی اصولی مقدمے پر قائم ہے۔ حدیث و سنت کی حجیت کی بحث بھی اسی مرکزی نکتے کے گرد گھومتی ہے۔ اس بحث کے بنیادی نکات کو اگر ہم اُن کی تحریروں سے اخذ کرنا چاہیں تو وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ غامدی صاحب کے نزدیک ایمان بالرسالت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے رسول کی مکمل اطاعت کی جائے، کیونکہ رسول صرف عقیدت کا مرکز نہیں، بلکہ اس کے ساتھ اطاعت کا مرکز بھی ہوتا ہے۔ اُس کے منصب کا تقاضا ہے کہ اُسے فقط مندر اور مذکر کے طور پر نہیں، بلکہ واجب الاطاعت ہادی کی حیثیت سے قبول کیا جائے اور زندگی کے ہر معاملے میں اُس کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ لکھتے ہیں:

”...نبی صرف عقیدت ہی کا مرکز نہیں، بلکہ اطاعت کا مرکز بھی ہوتا ہے۔ وہ اس لیے نہیں آتا کہ لوگ اُس کو نبی اور رسول مان کر فارغ ہو جائیں۔ اُس کی حیثیت صرف ایک واعظ و ناصح کی نہیں، بلکہ ایک واجب الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے۔ اُس کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں جو ہدایت وہ دے، اُس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے۔“^{۳۷}

وہ اطاعت رسول کو محض رسمی اور قانونی ضرورت کے طور پر بیان نہیں کرتے، بلکہ خلوص و محبت اور عقیدت و احترام کے جذبات کو بھی اس کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں:

”...یہ اطاعت کوئی رسمی چیز نہیں ہے۔ قرآن کا مطالبہ ہے کہ یہ اتباع کے جذبے سے اور پورے اخلاص، پوری محبت اور انتہائی عقیدت و احترام سے ہونی چاہیے۔ انسان کو خدا کی محبت اسی اطاعت اور اسی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت خود بھی مختلف طریقوں سے واضح فرمائی ہے۔ ایک روایت

۳۵۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۔

۳۶۔ ایضاً۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔

میں آپ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ کسی شخص کا ایمان اُس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتا، جب تک وہ مجھے اپنے باپ بیٹوں اور دوسرے تمام لوگوں سے عزیز تر نہ رکھے۔“^{۳۸}

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اس بنا پر آپ کے قول و فعل کی حجیت کو آپ کے زمانے تک محدود نہیں سمجھتے، بلکہ اُسے ابدی مانتے ہیں اور اسے کسی کی رائے کے طور پر نہیں، بلکہ قرآن کے فیصلے کے طور پر قبول کرتے ہیں:

”...قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ہدایات قیامت تک کے لیے اسی طرح واجب الاطاعت ہیں، جس طرح خود قرآن واجب الاطاعت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے محض نامہ بر نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچا دینے کے بعد آپ کا کام ختم ہو گیا۔ رسول کی حیثیت سے آپ کا ہر قول و فعل بجائے خود قانونی سند و حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کو یہ مرتبہ کسی امام و فقیہ نے نہیں دیا ہے، خود قرآن نے آپ کا یہی مقام بیان کیا ہے۔“^{۳۹}

آپ کے قول و فعل کی قانونی سند و حجت کی بنا پر وہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں شریعت دینے کا حق صرف رسول اللہ کو حاصل ہے اور آپ کی دی ہوئی شریعت میں کسی انسان کو، خواہ وہ ابو بکر و عمر جیسا بلند پایہ ہی کیوں نہ ہو، تغیر و تبدل کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

”اس زمین پر قیامت تک کے لیے یہ حق صرف محمد رسول اللہ کو حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو شریعت قرار دیں، اور جب اُن کی طرف سے کوئی چیز شریعت قرار پا جائے تو پھر صدیق و فاروق بھی اُس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔“^{۴۰}

۲۔ غامدی صاحب کا موقف ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا وجوب قیامت تک کے لیے ہے۔ اپنی حیات مبارکہ میں آپ بنفس نفیس مرجع اطاعت تھے اور اب یہ مقام و مرتبہ قرآن و سنت کو حاصل ہے۔ حکومت و ریاست کی اطاعت انہی کی اطاعت کے ماتحت ہے۔ لہذا حکمرانوں سے اختلاف تو ہو سکتا ہے، مگر قرآن و سنت سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حکمرانوں سے اختلاف کی صورت میں بھی فیصلے کے لیے قرآن و سنت ہی کو حکم کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مسلمان اپنی ریاست میں قرآن و سنت کے خلاف یا ان کی رہنمائی کو نظر انداز کر کے کوئی قانون سازی نہیں کر سکتے:

۳۸ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ایضاً، ص ۱۴۵۔

۳۹ غامدی، جاوید احمد، برہان، لاہور: المورد، ۲۰۰۸ء، ص ۳۸۔

۴۰ ایضاً، ص ۱۳۸۔

”... اللہ ورسول کی یہ حیثیت ابدی ہے، لہذا جن معاملات میں بھی کوئی حکم انہوں نے ہمیشہ کے لیے دے دیا ہے، ان میں مسلمانوں کے اولی الامر کو، خواہ وہ ریاست کے سربراہ ہوں یا پارلیمان کے ارکان، اب قیامت تک اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اولی الامر کے احکام اس اطاعت کے بعد اور اس کے تحت ہی مانے جاسکتے ہیں۔ اس اطاعت سے پہلے یا اس سے آزاد ہو کر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمان اپنی ریاست میں کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتے جو اللہ ورسول کے احکام کے خلاف ہو یا جس میں ان کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اہل ایمان اپنے اولی الامر سے اختلاف کا حق بے شک، رکھتے ہیں، لیکن اللہ اور رسول سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا، بلکہ اس طرح کا کوئی معاملہ اگر اولی الامر سے بھی پیش آ جائے اور اس میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت موجود ہو تو اس کا فیصلہ لازماً اس ہدایت کی روشنی ہی میں کیا جائے گا۔“

۳۔ غامدی صاحب حدیث و سنت کے ایک حصے کو دین کے ایسے مستقل بالذات جز کے طور پر قبول کرتے ہیں جس کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی اور جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے

۴۱۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۳۸۳۔
 ۴۲۔ یہاں یہ واضح رہے کہ غامدی صاحب قرآن مجید اور حدیث و سنت میں مذکور احکام کو ان کی اصل اور شرح و فرع کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ ان احکام پر مشتمل ہے جو اصلاً اور ابتداءً قرآن میں مذکور ہیں اور حدیث و سنت میں ان کی شرح و فرع اور تاکید بیان ہوئی ہے۔ دوسرے حصے میں وہ احکام شامل ہیں جو اصلاً اور ابتداءً سنت میں بیان ہوئے ہیں اور قرآن میں ان کا ذکر تاکید یا کسی اور ضرورت کے تحت آیا ہے۔ اس کی وضاحت انہوں نے ”میزان“ میں ”مبادی تدبر سنت“ کے زیر عنوان ان الفاظ میں کی ہے: ”عملی نوعیت کی وہ چیزیں بھی سنت نہیں ہو سکتیں جن کی ابتدا پیغمبر کے بجائے قرآن سے ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہے کہ آپ نے چوروں کے ہاتھ کاٹے ہیں، زانیوں کو کوڑے مارے ہیں، اوباشوں کو سنگسار کیا ہے، منکرین حق کے خلاف تلوار اٹھائی ہے، لیکن ان میں سے کسی چیز کو بھی سنت نہیں کہا جاتا۔ یہ قرآن کے احکام ہیں جو ابتداءً اسی میں وارد ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعمیل کی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی کا حکم بھی اگرچہ جگہ جگہ قرآن میں آیا ہے اور اس نے ان میں بعض اصلاحات بھی کی ہیں، لیکن یہ بات خود قرآن ہی سے واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی ابتدا پیغمبر کی طرف سے دین ابراہیمی کی تجدید کے بعد اس کی تصویب سے ہوئی ہے۔ اس لیے یہ لازماً سنن ہیں جنہیں قرآن نے موکد کر دیا ہے۔ کسی چیز کا حکم اگر اصلاً قرآن پر مبنی ہے اور پیغمبر نے اس کی وضاحت فرمائی ہے یا اس پر طابق الععل بالعلل عمل کیا ہے تو پیغمبر کے اس قول و فعل کو ہم سنت نہیں، بلکہ قرآن کی تفہیم و تبیین اور اسوۂ حسنہ سے تعبیر کریں گے۔ سنت صرف انہی چیزوں کو کہا جائے گا جو اصلاً پیغمبر کے قول و فعل اور تقریر و

ساتھ امت کو منتقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”سنت کی حیثیت دین میں مستقل بالذات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانے کے مکلف تھے۔“^{۴۳}

چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب میں اُن تمام اجزائے دین کی سنن ہی کی حیثیت سے فہرست بندی کی ہے جو امت کی علمی و عملی روایت میں عبادت، معاشرت، خور و نوش اور رسوم و آداب کے دائرے میں مراسم دین کے طور پر مسلم رہے ہیں۔ یہ فہرست درج ذیل ہے:

”اس (سنت کے) ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:^{۴۴}

عبادات

۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوٰۃ اور صدقہ فطر۔ ۳۔ روزہ و اعتکاف۔ ۴۔ حج و عمرہ۔ ۵۔ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

معاشرت

۱۔ نکاح و طلاق اور اُن کے متعلقات۔ ۲۔ حیض و نفاس میں زین و نشو کے تعلق سے اجتناب۔

خور و نوش

۱۔ سُر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔ ۲۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں

تصویب پر مبنی ہیں اور انھیں قرآن کے کسی حکم پر عمل یا اُس کی تفہیم و تبیین قرار نہیں دیا جاسکتا۔“ (میزان، ص ۵۸)

^{۴۳} غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المود، ۲۰۱۴ء، ص ۱۶۳۔

^{۴۴} واضح رہے کہ ان میں سے بعض سنن، مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج و عمرہ وغیرہ کو پیش تر علمائے امت آیات قرآنی کی تبیین پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی یہ احکام اصلاً قرآن میں وارد ہوئے ہیں اور سنت نے ان کی تشریح و تفصیل کی ہے۔ غامدی صاحب کا موقف اس کے برعکس ہے۔ اُن کے نزدیک ان کی حیثیت مستقل بالذات سنن کی ہے جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی۔ قرآن میں ان کا ذکر اصل حکم کے طور پر نہیں، بلکہ تاکید کے لیے یا کسی اور ضرورت کے تحت آیا ہے۔ بالبداهت واضح ہے کہ علما اور غامدی صاحب کے اس اختلاف کا تعلق بات کی پیشکش اور استدلال کی ترتیب سے ہے، نتیجے سے ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ غامدی صاحب انھیں دیگر علمائے امت ہی کی طرح واجب العمل سنن کی حیثیت سے دین کا لازمی حصہ مانتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سنت کا مرتبہ اُن کے نزدیک اُس مرتبے سے بھی زیادہ ہے جو دیگر علمائے امت اُسے دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر علمائے امت مذکورہ سنن کو قرآن کے تابع اور اُس کی شرح و فرع کے مقام پر رکھتے ہیں، جبکہ غامدی صاحب انھیں اُس کے مساوی سمجھتے ہیں اور اُس سے منفرد حیثیت سے قبول کرتے ہیں۔

کا تذکیہ۔

رسوم و آداب

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ ۲۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اُس کا جواب۔ ۳۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اُس کے جواب میں 'رحمک اللہ'۔ ۴۔ موچھیں پست رکھنا۔ ۵۔ زیر ناف کے بال کاٹنا۔ ۶۔ بغل کے بال صاف کرنا۔ ۷۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ ۸۔ لڑکوں کا خنہ کرنا۔ ۹۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ ۱۰۔ استنجا۔ ۱۱۔ حیض و نفاس کے بعد غسل۔ ۱۲۔ غسل جنابت۔ ۱۳۔ میت کا غسل۔ ۱۴۔ تجھیز و تکفین۔ ۱۵۔ تدفین۔ ۱۶۔ عید الفطر۔ ۱۷۔ عید الاضحیٰ۔

گویا ان کے نزدیک ان تمام اجزائے دین کا ماخذ قرآن نہیں، بلکہ سنت ہے۔

۴۔ غامدی صاحب قرآن مجید کی تبیین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منصبی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور اس اعتبار سے آپ کے مقام کو مامور من اللہ تبیین کتاب کی حیثیت سے قبول کر پڑتے ہیں۔ سورہ نحل کی آیت تبیین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”آیت کا مدعا یہ ہے کہ خالق کائنات نے اپنا یہ فرمان بخش اس لیے پیغمبر کی وساطت سے نازل کیا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے اُس کی تبیین کرے۔ گویا تبیین یا زبان پیغمبر کی منصبی ذمہ داری بھی ہے اور اُس کے لازمی نتیجے کے طور پر اُس کا حق بھی جو اُسے خود پروردگار عالم نے دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر مامور من اللہ تبیین کتاب ہے۔“

اسی بنا پر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم تھے اور اس اعتبار سے آپ کو یہ امتیازی حیثیت حاصل تھی کہ وحی الہی کی تائید و تصویب کی بدولت آپ کا علم ہر خطا سے پاک تھا۔ لکھتے ہیں:

”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر تھے، اس لیے دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم، بلکہ سب عالموں کے امام بھی آپ ہی تھے۔ دین کے دوسرے عالموں سے الگ آپ کے علم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ کا علم بے خطا تھا، اس لیے کہ اُس کو وحی کی تائید و تصویب حاصل تھی۔“

۴۵۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۴۔

۴۶۔ غامدی، جاوید احمد، برہان، لاہور: المور، ۲۰۰۸ء، ص ۴۰۔

۴۷۔ غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۶۳۔

۵۔ غامدی صاحب کے نزدیک روایات میں منقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات تفہیم و تبیین کی حیثیت رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نسبت کی تحقیق کے بعد ان کی پیروی ایمان کا لازمی تقاضا ہے اور اس سے معمولی اختلاف بھی ایمان کے منافی ہے۔ لکھتے ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارشادات بھی دین کی حیثیت سے روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، اُن میں سے بعض کو میں نے ”تفہیم و تبیین“ اور بعض کو ”اسوۂ حسنہ“ کے ذیل میں رکھا ہے۔ یہی معاملہ عقائد کی تعبیر کا ہے۔ اس سلسلہ کی جو چیزیں روایتوں میں آئی ہیں، وہ سب میری کتاب ”میزان“ کے باب ”ایمانیات“ میں دیکھ لی جاسکتی ہیں۔ یہ بھی ”تفہیم و تبیین“ ہے۔ علمی نوعیت کی جو چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہیں، اُن کے لیے صحیح لفظ میرے نزدیک یہی ہے۔ آپ سے نسبت متحقق ہو تو اس نوعیت کے ہر حکم، ہر فیصلے اور ہر تعبیر کو میں حجت سمجھتا ہوں۔ اس سے ادنیٰ اختلاف بھی میرے نزدیک ایمان کے منافی ہے۔“^{۴۸}

اس تفصیل سے واضح ہے کہ مدرسہ فرہادی حدیث و سنت کو من جملہ دین قرار دیتا اور ان کی حجیت کو پوری طرح تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دین میں مطاع کی حیثیت کو تسلیم کرنے اور اس بنا پر آپ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کو واجب الاطاعت ماننے، حدیث و سنت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام سمجھنے اور ان کی تشریح اور تشریحی حیثیتوں کو تسلیم کرنے اور ان کے انکار کو دین و ایمان کے منافی تصور کرنے کے حوالے سے یہ اسی موقف کا علم بردار ہے جس پر امت گذشتہ چودہ سو سال سے کار بند ہے۔ اس کا علمی و فکری اثاثہ اس موقف پر واقعاتی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے جس کی تردید علم و استدلال کے دائرے میں ناممکن ہے۔ دین اسلام پر اس کی نمائندہ کتاب ”میزان“ اس امر کا واضح ثبوت ہے جس میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، اعتکاف، حج، عمرہ، عید، نکاح، طلاق، تزکیہ، غسل، تجہیز و تکفین اور اس نوعیت کے دیگر مجمع علیہ مراسم دین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری کردہ سنن ہی کے طور پر مشروع قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دین کی شرح و فرع کے ضمن میں کم و بیش بارہ سو احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ بطور مثال ان میں سے چند حوالے درج ذیل ہیں:

۱۔ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بلیغ اسلوب میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے: ”احسان“ یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اس لیے کہ اگر تم اُسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (مسلم، رقم ۹۳)^{۴۹}

۴۸۔ غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵۱۔

۴۹۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المور، ۲۰۱۵ء، ص ۷۸۔

- ۲۔ ”قرآن کی اس تعلیم کا سب سے موثر بیان وہ ہے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے اُن لوگوں کا فیصلہ کیا جائے گا جو قرآن کے عالم تھے یا جہاد میں مارے گئے یا جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا تھا۔“^{۵۱}
- ۳۔ ”یہی تصویریں ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔“^{۵۲}
- ۴۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی مقصد سے عورتوں کے تیز خوشبو لگا کر باہر نکلنے، مردوں کے پاس تہا بیٹھنے، یا اُن کے ساتھ تہا سفر کرنے سے منع فرمایا۔“ (ابوداؤد، رقم ۴۱۷۳)^{۵۲}
- ۵۔ ”قرآن کا یہ منشا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف مواقع پر واضح فرمایا ہے: سیدہ عائشہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: ایک دو گھونٹ اتفاقاً پی لیے جائیں تو اس سے کوئی رشتہ حرام نہیں ہو جاتا۔“ (مسلم، رقم ۳۵۹۰)^{۵۳}
- ۶۔ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے اولیا پر واضح کر دیا ہے کہ اُس کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ اُس کی اجازت کے بغیر نہ کریں، ورنہ عورت چاہے گی تو اُن کا یہ فیصلہ رد کر دیا جائے گا۔ ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ کا نکاح اُس سے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کی اجازت ضروری ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اُس کی اجازت کیسے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ خاموش رہے تو یہی اجازت ہے۔“ (بخاری، رقم ۶۹۶۸)^{۵۴}
- ۷۔ ”عورت کو جسمانی سزا دی جائے۔ یہ سزا، ظاہر ہے کہ اتنی ہی ہو سکتی ہے جتنی کوئی معلم اپنے زیر تربیت شاگردوں کو یا کوئی باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حد ’غیر مبرح‘ کے الفاظ سے متعین فرمائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی سزا نہ دی جائے جو کوئی پاپے دار اثر چھوڑے۔“ (مسلم، رقم ۲۹۵۰)^{۵۵}
- ۸۔ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی بنا پر ماں کا حق باپ کے مقابل میں تین درجے زیادہ قرار دیا ہے۔“ (بخاری، رقم ۵۹۷۱۔ مسلم، رقم ۶۵۰۰)^{۵۶}

۵۰۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: الموروث، ۲۰۱۵ء، ص ۲۰۱۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۰۸۔

۵۲۔ ایضاً، ص ۲۲۷۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۴۱۳۔

۵۴۔ ایضاً، ص ۴۱۸۔

۵۵۔ ایضاً، ص ۴۲۱۔

۵۶۔ ایضاً، ص ۴۲۱۔

مقالات

۹۔ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو صورتیں، اپنے زمانے میں ممنوع قرار دیں، وہ یہ ہیں: چیزیں بیچنا، اس سے پہلے کہ وہ قبضے میں آئیں۔ (بخاری، رقم ۲۱۳۲) اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی ایسی چیز بیچنا جس میں عیب ہو، الا یہ کہ اُسے واضح کر دیا جائے۔“ (ابن ماجہ، رقم ۲۲۳۶)^{۵۷}

۱۰۔ ”چنانچہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سو دکھانے اور کھلانے والے، دونوں پر لعنت کی ہے۔“ (بخاری، رقم ۵۳۷)^{۵۸}

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۵۷ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۵۰۲۔

۵۸ ایضاً، ص ۵۰۷۔

ماہنامہ اشراق ۶۴ _____ اگست ۲۰۱۶ء